145

اور مرقس باب ۱- آیت ۲ و ۳ میں اور لوقا باب ۷- آیت ۲۶ وغیرہ میں ہے کہ مسیح نے اس پیشگوئی کو اپنے آپ پر اور یوحنا بپتسما دینے والے پر لگایا ہے اور یہ کہا ہے کہ پھر تم کیا دیکھنے کو گئے۔ کیا ایک نبی ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ نبی سے بڑا۔ (۲۷) یہ وہی ہے جسکی بابت لکھا ہے۔ کہ دیکھ میں اپنے رسول کو تیرے آگے بھیجتا ہوں۔ جو تیری راہ کو درست کرے گا۔ (۲۸) کیونکہ میں تمسے کہتا ہوں۔ کہ ان میں سے جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ یوحنا بپتسما دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا۔ یہ قول مسیح اگر عیسائیوں کی من گھڑت نہیں تو اس سے بجز اسکے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت عیسےٰ نے یوحنا کو اپنے پہلے آنے والا رسول اور اُن کی راہ درست کرنے والا کہا ہے۔ جس سے سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسے بھی اُنکے بعد آنے والے رسول ہیں۔ اور اگر عیسائی اسکے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ یوحنا حضرت عیسے کا رسول ہے۔ اور حضرت عیسے اوسکے بھیجنے والے خدا ہیں۔ تو یہ انکی غلط فہمی یا بے انصافی ہے۔ حضرت عیسے نے تو اسی یوحنا سے بقول عیسائیوں کی بپتسما پایا اور اُنکے شاگرد و مرید ہوئے۔ اگر وہ خود خدا اور یوحنا کے بھیجنے والے ہوتے تو انکے مرید و شاگرد کیوں بنتے۔ ؛

از انجملہ چھٹا مقام کتاب پیدائش کا باب اول آیت ۲۶- اور باب ۳ آیت ۲۲ ہے۔ جنکو عبداللہ آتھم نے ۲۴ مئی کے پرچہ میں نقل کیا ہے۔ اور اس میں یہ بیان ہے کہ خداوند نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں (۱-۲۶) اور خداوند نے کہا ہے کہ "دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔" (۳-۲۲)

ڈپٹی آتھم نے پہلی آیت کی عبرانی عبارت اُردو حروف میں نقل کرکے اس کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے "کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو اوپر صورتوں اپنیوں کے اور اوپر شکلوں اپنیوں کے" اور یہ خیال کیا کہ اس آیت میں لفظ الوہیم جمع کا لفظ ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah.

جو خدا تعالے کے حق میں بولا گیا ہے۔ اور یہ خیال کیا کہ جن الفاظ کے معنے صورتوں اور شکلوں کے کئے گئے ہیں یعنے لفظ (בְּצַלְמֵנוּ) اور لفظ کدموثینو (כִּדְמוּתֵנוּ) وہ بہی جمع کے ہیں۔ ان تینوں الفاظ کا اطلاق خدائے واحد پر ہوا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ذات میں باوجود وحدت کثرت بھی پائی جاتی ہے۔

پہر آپنے جمعیت لفظ الوہیم کی نسبت سرسید کا جواب نقل کیا ہے کہ لفظ الوہیم میں جمع تعظیمی ہے۔ یعنے نہ تعدادی۔ پھر اسکا یہ جواب دیا ہے کہ الوہیم خاص خدا تعالے کا نام ہے۔ اور اسماء خاص یا ناموں میں تعظیم کی نظر سے جمع نہیں بنائی جاتی۔ سید احمد خاں کو سید احمدان نہیں کہا جاتا۔

اور دوسری آئیت کا صرف ایک لفظ عبرانی (کاحد ممنو) عربی حروف میں نقل کرکے اسکا ترجمہ کیا ہے۔ "ہم میں سے ایک کی مانند" یعنے آدم نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اور یہ خیال کیا ہے کہ (ممنو) صیغہ متکلم مع الغیر ہے۔ یہ لفظ خدا تعالے نے اپنے حق میں استعمال کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی ذات واحد میں کثرت بھی پائی جاتی ہے۔

پہر آپنے اس خیال کے مخالف یہودیوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس لفظ متکلم مع الغیر میں خدا تعالے نے فرشتوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اور انکی نظر سے "ہم میں سے" کا لفظ بولا ہے پہر اسکے جواب میں کہا ہے کہ فرشتوں کا ذکر متن کتاب میں آگے پیچھے کہیں نہیں ہے پہر اس ضمیر متکلم مع الغیر کا رجوع فرشتوں کی طرف کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور اگر ذکر ہو تو بھی فرشتوں کا علم خدا کے علم کی مانند ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ کسبی ہے۔ جو انکو ناپاک کر دیتا ہے لہذا فرشتے اس لائق نہیں ہیں، کہ خدا اون کو اپنے ساتھ لے کر اون کی نظر سے لفظ "ہم میں سے" بولے۔

پہر آپنے سرسید سے نقل کیا ہے کہ لفظ "ممنو" متکلم مع الغیر کا صیغہ نہیں بلکہ

146

جمع غائب ہے اور اس سے مراد آدم طبقہ ہائے ماقبل آدم معروف ہے۔ اور اسپر یہ اعتراض کیا ہے کہ آدم طبقہ ہائے ماقبل آدم معروف کا ذکر متن کتاب میں تو درکنار جیالوجی یا اور سائنس میں بھی نہیں ہے۔

ہم نے ویٹی آتھم کی اس بحث کے جواب میں ایک ایسی تحریر کی تھی جس میں اصل عبرانی عبارت توریت اور عبرانی لغات وصرف نحو سے یہ ثابت کیا تھا کہ لفظ الوہیم (אלהים) ذات باری تعالے کا خاص نام نہیں بلکہ یہ وصفی اسم ہے جس کے معنے سردار یا زور آور کے ہیں۔ اور ان ہی معنے کے نظر سے جیسا کہ اس لفظ کا اطلاق خدا تعالے پر ہوا ہے ویسا ہی حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ۔ و حضرت عیسےٰؑ اور ایک فرشتے اور ایک بادشاہ کافر بخت نصر پر ہوا ہے (جن کی ذات میں کثرت کا خیال کسی کے دل میں نہیں گذرتا) اور اسپر آیات خروج ۷/۱ و ۴/۱۶ قاضی ۱۲/۲۲ و زبور ۴۵/۷ و ۸ حزقیل ۳۱/۱۱ وغیرہ کا حوالہ دیا۔

اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ بصلمینو۔ اور کدموئینو کے معنے جمع کے نہیں ہیں۔ بلکہ مفرد ہیں یہی وجہ ہے کہ موجودہ بیبل میں ان الفاظ کا ترجمہ "اپنی صورت اپنی مانند" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ لفظ ممنو (ממנה) توریت میں متکلم مع الغیر کے معنے میں کہیں نہیں آیا۔ جہاں لفظ وارد ہے وہاں واحد غائب کے معنے مراد ہیں۔

از انجملہ پیدائش ۲/۱۷ ۳/۳ ہے جن میں اس لفظ کا اطلاق اس درخت پر ہوا ہے جسکے کھانے سے آدم کو منع کیا گیا تھا۔ ایسے اور بہت مقام ہیں جن کی تفصیل سے تطویل ہوتی ہے۔

عبرانی گرامر میں بھی اس لفظ کو ضمیر واحد مذکر غائب قرار دیا ہے۔ اور اس مقام میں جو لفظ "کاحد" (כאחד) کا اس لفظ سے الحاق ہوا ہے اس سے بھی اوس کی جمعیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لفظ کے معنے یکتا اور وحید کے گئے ہیں۔ اور اگر اس لفظ کو بقرینہ لفظ کاحد

جمع تسلیم کرلیا جاوے تو بھی وہ لفظ جمع غائب کا صیغہ ہوگا نہ جمع متکلم کا ولہذا اس لفظ سے متکلم یعنے خدا تعالے میں کثرت ثابت نہ ہوگی بلکہ اون غائب اشخاص کی جنکی نظر سے یہ لفظ بولا گیا ہے۔

اور اگر اس لفظ کا توریت میں اور عبرانی زبان میں واحد و جمع غائب و متکلم سبھی معانی میں استعمال ہونا تسلیم کیا جاوے تو بھی مقام متنازع فیہ میں اس لفظ کے بمعنے متکلم مع الغیر ہونے اور اس سے ذات خدا میں کثرت ثابت ہونے کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمہ پر کیوں جائز نہیں کہ وہ لفظ اسمقام میں بمعنے واحد غائب مراد ہو۔ اور بفرض جمعیت کیوں جائز نہیں کہ وہ بمعنے جمع غائب ہو۔ اور بفرض جمع متکلم کیوں جائز نہیں کہ اسمیں خدا تعالے اپنے ساتھ فرشتوں کو شامل کرلیا ہو جیسا کہ یہودی کہتے ہیں۔ اور فرشتوں کا ذکر بھی متن کتاب میں موجود ہے۔ ان سب احتمالات کے ساتھ عیسائیوں کا اس آیت سے استدلال بحکم اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال باطل ہے۔

ہماری اس تحریر کی ہنوز کاپی نہ لکھی گئی تھی کہ مسٹر ابر مسیح آزاد توحیدی عیسائی کا رسالہ "الوہیم" چھپ کر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ جسمیں ہماری تحریر کی اکثر پہلوؤں پر کافی بحث ہے واذا سبحا کہ وہ رسالہ عیسائیوں کی ایک عیسائی بہائی کی تالیف ہے۔ اور اسمیں عیسائیوں کے مستند اقوال سے استشہاد کیا گیا ہے جنسے عیسائیوں کا افہام یا اقحام[1] بخوبی متصور ہے۔ اور ہماری تحریر کی عبرانی بحث سے ہمارے اکثر ناظرین کے عبرانی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے انکے دلچسپی کی امید کم ہے۔ لہذا ہم نے اپنی تحریر کی اشاعت کو ملتوی کرکے بجائے اسکے اس رسالہ کے انتخاب کو مناسب سمجھا۔ عیسائی صاحبان اس رسالہ کے دلائل و اقوال کا کافی جواب دیکر اس رسالہ کے بیان کا ناکافی ہونا ثابت کرینگے۔ اور ہمارے ناظرین بھی ہماری عبرانی بحث سے دلچسپی کا اظہار کرینگے تو ہم اس تحریر کو شایع کرینگے انشاء اللہ تعالے۔

[1] اقحام حاء حطی سے بمعنی اسکات و الزام ہے۔ (مصحح)

انتخاب رسالہ الوہیم مسٹر اکبر مسیح

مسٹر آزاد اس رسالہ کی صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں (۳) الوہیم تثلیث کا نام نہیں مگر اس تثلیثی بحث کا صرف کوئی ایک پہلو مخدوش نہیں۔ بلکہ ہر پہلو ایسا ہی ضعیف ہے۔ پادری صاحب خدا کی اسماء جمع سے کثرت فی الوحدت نکالتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ کے اُن ناموں میں وحدت فی التثلیث و تثلیث فی التوحید پائی جاتی ہے" صفحہ ۲۴ کلمہ یم عبرانی میں صرف نشان جمع کا ہے، تعظیم کا بھی الوہیم میں بوجہ تثلیث فی التوحید کے یہ کلمہ آیا ہے"۔ نکات اسلام احمدیہ صـ ۵۶ آپ اگر خدا کو یہ اسم جمع اسلئے دیا گیا کہ اوسکی ذات واحد میں تین آقانیم یعنے تثلیث ہے۔ تو یہ جمع در اصل نہ جمع تعداد یہ ہے نہ تعظیمیہ بلکہ جمع تثلیثہ ہے۔ پس اگر تین آقانیم یعنے تثلیث کو یہ نام زیب دیتا ہے تو ضرور کسی ایک اقنوم کو جو تین اقنوم یعنے تثلیث نہیں بلکہ صرف اقنوم واحد ہے۔ یہ نام ہرگز زیب نہیں دیتا۔ مگر ہم دکھاتے ہیں کہ یہ نام مجرد ایک اقنوم کو بھی جس میں کوئی اقنوم نہیں ہے دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ الوہیم اسم جمع کا استعمال خدائے واحد کے لئے باعتبار کثرت آقانیم نہیں آیا۔ ورنہ صرف اقنوم واحد کو الوہیم نہ کہتے۔ زبور

۴۵: ۷۔ خدا باپ کو جو اقنوم واحد ہے۔ نہ کہ تثلیث کو الوہیم کہا۔ اسلئے الوہیم تیرے الوہیم نے تجھے تیرے شریکوں سے زیادہ ممسوح کیا۔ اور اگر تثلیثوں کی بحث درست[۲] ہو دیگر ہم اسے نادرست سمجھتے ہیں۔ صرف[۱] تثلیثوں کے مقابل پیش کرتے ہیں جو اوس کے قائل ہیں)، تو اس آیت میں۔ ای الوہیم تیرا تخت ابد تک ہے۔ اگر الوہیم بیٹے کو کہا اور بیٹا باعتقاد تمہارے شخص واحد ہے نہ مجموعہ اقانیم ثلثہ تو شخص واحد کے لئے الوہیم جمع کا استعمال ہونا دکھلا رہا ہے کہ وہ باعتبار کثرت اقانیم فی الوحدت نہیں استعمال ہوا۔ نہ

[۱] دیکھو رسالہ تنقیح صـ ۱۵۰-۱۱۰ و تائید التنقیح صـ ۶۹-۸۶ [۲] یعنے بنسبت آیت آئندہ جہیں تخت کا ذکر ہے۔ ف

یہاں نہ وہاں - کیونکہ اگر الوہیم تثلیث کو کہتے ہیں - تو پہر الوہیم باپ یا بیٹے کو علیحدہ علیحدہ کیونکر کہہ سکتے ہیں اسی طرح موسی کو جو ایک ذات اور ایک شخص تھا - الوہیم کہا ہے - خروج ۴/۱۶ و ۷/۱ گئوسالہ کو الوہیم کہا خروج ۲۲/۳۱ و نحمیا ۹/۱۸ ایک فرشتے کو بھی کہا قاضی ۱۳/۲۲

(۴) الوھیم کیسے جمع ھے - اوپر تبلایا گیا کہ مسٹر عبداللہ آتہم صاحب کہتے ہیں کہ "عبرانی میں کلمہ یم صرف نشان جمع کا ہے نہ کہ تعظیم کا بھی" تو اب یہ اُنکے ذمہ رہا کہ بتلاویں کہ پہر کیوں شخص واحد موسے کو الوہیم کہا کیوں فقط اقنوم واحد باپ کو یا فقط بیٹے کو (اگر وہ حوالہ[1] درست ہو الوہیم کہا کیوں واحد فرشتہ کو الوہیم کہا حال میں مسٹر آتہم صاحب نے بحوالہ پادری عبداللہ صاحب یہ فرمایا ہے کہ "عبرانی میں کسی قسم کی اسم میں جمع تعظیمہ کبہی نہیں آئی" بحث توحید یہ و تثلیثہ صفحہ ۸ پہر وہ بتادیں کہ آقا کو آقاؤں اور گہڑیال کو گہریالوں کیوں کہا جسکا ذکر ہم صفحہ ۹ میں کر آئے - اور سنئے ایوب کی کتاب باب ۴۰ - آیت ۱۵ - الخ میں بہیموت کا ذکر آیا - یہ بہیموت جمع ہے - اسکا مفرد بہیما بمعنے جانور ہے - مگر اسکو بصیغہ جمع بلحاظ تفخیم کے بیان کیا - کیونکہ کوئی خاص نام اسکا عبرانی میں نہیں تھا اور پہر اسکے لئے واحد فعل و ضمیر کو لائے ایک جگہ نہیں کئی جگہ اور اور دیکھئے فرعون کو و فوطیفار کو اور یوسف کو بھی بصیغہ جمع خداوندوں کہا ہے شاہ مصر کا ساقی و نان پز اپنے خداوند (خداوندوں) شاہ مصر کے مجرم ہوئے پیدایش ۴۰/۱ فوطیفار کو جہاں بار بار آقا لکہا ہے دراصل وہاں اصل میں آقاؤں ہے باب ۲۹-۲-۲۰ وہ شخص جو اوس ملک کا مالک (مالکوں) ہے ہم سے سختی سے بولا باب ۴۲ - آیت ۳۰ و ۳۳ پر بھی کہا جاتا ہے کہ "عبرانی میں کسی قسم کی اسم میں جمع تعظیمہ کبھی نہیں آئے" ضرور آئی ہے کتاب امثال سلیمان باب اول آیت ۲۰ میں ہے - دانائی سڑک پر ہو کر بلاتی ہے لفظ دانائی جسکے لئے افعال وغیرہ بصیغہ واحد آئے ہیں - اصل میں بصیغہ جمع دانایون ہے - چنانچہ آتہورا مرو ورشن انگریزی میں لفظ دانائی پر یہ حاشیہ دیا ہوا ہے "عبرانی

[1] جو صفحہ ۲۹ میں گذرا جسمیں تخت کا ذکر ہے

دانایوں ہے بمعنی عمدہ دانائی" دیکھئے اسم واحد کو تعظیماً بصیغہ جمع لکھا مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ "عبرانی میں کسی قسم کے اسم میں جمع تعظیمہ کبھی نہیں آئی" آگے ہم کسی بڑے عبرانی صرفی ونحوی کو بھی پیش کر دینگے کہ عبرانی میں جمع تعظیمہ ضرور آتی ہے"۔

پھر مسٹر آزاد رسالہ الوہیم کے صفحہ ۱۳ میں لکھتے ہیں (۶) الوہیم جمع تعظیمہ مسٹر آتھم صاحب اون لوگوں کا قول قبول نہیں کرتے جو الوہیم کو جمع تعظیمہ قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ الوہیم کو بجائے جمع تعدادیہ کے جمع تعظیمہ قرار دیتے ہیں یہ بھول جاتے ہیں کہ اسمائے خاص میں تعظیم وتذلیل کبھی اور کہیں مربوط نہیں ہوئی۔ ایل اسم واحد خاص خدائے تعالےٰ کا ہے۔ اور اس کی جمع الوہیم ہے" بحث مابین توحید یہ وتثلیثیہ صفحہ ۷۔ ایل کو اسم خاص تصور کرنا خطا ہے۔ ایل اسم نکرہ ہے" اسکے معنے قوی مضبوط ہیں .... عبرانی میں یہ اپنے عام یعنے قوی یا بہادر کے معنوں میں خدا کے لئے بھی آیا ہے" پروفیسر میکشن ملر مسیح عمانوئیل ص ۲۶ و ۲۷ پس ایل معرفہ نہیں یہ اس سے بھی ثابت ہے کہ اوسکی جمع کر لیجاتی ہے۔ اسم نکرہ کی جمع ہوتی ہے۔ معرفہ کی نہیں۔ چنانچہ اس لفظ کا استعمال عام ہے خاص خدا کے لئے مخصوص نہیں دیکھو رسالہ تنقیح ص ۱۰۷ پس اسم عام میں تعظیم وتذلیل ضرور مربوط ہے[1]۔ لہذا الوہیم کبھی تو جمع تعدادیہ ہوتا ہے۔ اور کبھی جمع تعظیمہ پروفیسر میکشن ملر فرماتے ہیں کہ چاہیئے اون الوہیم کے نام جنکو ابراہیم کے خاندان کے بیشمار جرگے پوجتے تھے کچھ ہی کیوں نہ ہوں ابراہیم نے یہ دیکھا کہ اون تمام الوہیم سے مقصود خدا تھا۔ اور اس طرح یہ الوہیم جس ایک نام میں ہر شئے جو کبھی الٰہی کہی گئی یا کہی جاسکتی ہے۔ ایک خاص نام بن گیا جس سے عمدگی کے ساتھ

---

[1] قرآن نے وحدت الٰہی کی موسومی تعلیم کو پوری طرح اختیار کرکے جابجا جمع تعظیمہ کا استعمال بھی کیا ہی سورہ واقعہ میں کئی مقامو پر اسم نکرہ کی جمع تعظیمی کی لفظی رعایت آئی ہے جیسے ام نحن الخالقون اسم ہیں پیدا کرنیوالے جسکا مفہوم اس سے زیادہ نہیں کہ ہیں ہم پیدا کرنے والا گو ہم بھی جمع ہے اور پیدا کرنے والا بھی ۔ ۱۲

توحیدی زمانہ شروع کیا گیا۔ یہ تھو تو جمع کا تھا۔ مگر مفہوم واحد تھا۔ یہوواہ تمام الوہیم ہوا اسلئے کوئی دوسرا خدا نہ رہا"۔

پھر مسٹر آزاد اس رسالہ کے صفحہ ۱۵ میں لکھتے ہیں۔ (۷) علمائے تثلیثیہ کی رائے موید توحید محققین تثلیثی علماء پر بھی اس الوہیم والی بحث کا ضعف اور اوسکی بے ثباتی ظاہر ہو گئی۔ کیونکہ دراصل یہ بحث محض بوجہ ضعف شہادت کتابی موید مسئلہ تثلیث کے ایجاد کرنا پڑے۔ کسی عبرانی نے تو آجتک اس الوہیم سے تثلیث کا مسئلہ اخذ نہیں کیا۔ اب بعض نامور تثلیثی علماء عبرانی دان کا فیصلہ اس بحث کی اسقام پر سنئے۔

کاڈینل کیجیے ٹن۔ معروف فقیہہ رومن کتھولک اپنی تفسیر میں اقرار کرتا ہے "نہ بوجہ کسی اسرار اشخاص الٰہی کے بلکہ اسوجہ سے موسیٰ اس اسم کو فعل پیدا کیا بصیغہ واحد سے ملحق کرتا ہے کہ الوہیم کا مفہوم واحد ہے"۔

شہرۂ آفاق کارڈینل بلبرمائن کہتا ہے کہ "بثبوت مسئلہ تثلیث بہت لوگ یہ کہتے ہیں کہ نوشتہ میں اسم خدا بصیغہ جمع کو فعل واحد سے ملایا ہے۔ جیسے بارا الوہیم مگر میں اس دلیل کو مضبوط نہیں سمجھتا کیونکہ بمحاورہ کتاب مشہور اشخاص کے لئے اسماء بصیغہ جمع آتے ہیں گو کہ فعل اونکے لئے واحد ہی رہتا ہے۔ اس محاورہ کی کچھ تقلید ہم اہل اطالیہ بھی کرتے ہیں۔ جب معزز اشخاص کو ہم بجائے تو کے تم کہکر خطاب کرتے ہیں"۔ گارڈینل صاحب ۴۔ دلائل سے اپنے قول کی تائید و قول مخالف کی تردید فرماتے ہیں۔

پروٹسٹنٹ مصلحین میں سے جان کالون جو توحیدیوں کا دشمن جانی اور اونکے سرغنہ عالم بے مثل و نشتر سیرت مالکل سروٹیلس کا قاتل تھا۔ اس دلیل کے ضعف کو یوں آشکار کرتا ہے کہ "موسیٰ نے جو الوہیم اسم صیغہ جمع کو استعمال کیا اس سے ذات الٰہی میں آقانیم ثلثہ کا اخذ کرنا عام ہے۔ لیکن یہ ثبوت ایسے اہم مسئلہ کا میری رائے

میں کسی طرح سے مضبوط نہیں اسلئے میں اس لفظ پر زور نہ دونگا بلکہ برخلاف اسکے اس قسم کی اینچ کھینچ کے تاویلات سے اپنے ناظرین کو متنبہ کرونگا"۔

چارلس راوز ملر۔ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "الوہیم جو جمع ہے اسم الوہ کی جب ایک سچے خدا کے حق میں آتا ہے اوسکو مصنفان عہد عتیق بمعنے واحد لیتے ہیں کیونکہ زبان عبرانی کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر واحد شے کے لئے خواہ وہ مذکر ہو یا مونث جب وہ عظیم اور نفیس ہو صیغہ جمع کا لایا جاتا ہے"۔

اسی طرح جان مائکیلس صاحب اپنی عبرانی لغت میں فرماتے ہیں کہ "میں سمجھتا ہوں کہ اسم الوہیم جو عموماً افعال وصفات واحد کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے جمع تعظیمہ ہے۔ اور میں اس سے منکر ہوں کہ یہ کسی طور سے بھی اسرار تثلیث کی طرف اشارہ کرتا ہے اگر یہ لفظ پاک تثلیث پر دلالت کرتا تو اس سے یہ مستنبط ہوگا کہ وہ مسئلہ بوجہ روزمرہ استعمال زبان کے نئے عہد نامہ کی نسبت پرانے عہد نامہ میں بہت ہی زیادہ آشکارا تھا"۔ پروفیسر ولسن اپنی گرامر میں فرماتے ہیں کہ "وہ الفاظ جو وجد بہ شوکت وحشمت ظاہر کرتے ہیں عموماً بصیغہ جمع لائے جاتے ہیں"۔ پروفیسر اسٹوارٹ کی گرامر میں یہ مرقوم ہے کہ "بغرض تاکید عبرانی لوگ بہت سے الفاظ کو جو بمعنے خداوند وخدا وغیرہ تھے بصیغہ جمع مگر بمعنے واحد استعمال کرتے تھے۔ یہ جمع جمع تعظیمہ کہلاتی ہے"۔ حال کے مشہور مفسر تثلیثی ڈاکٹر مارکس ڈاڈز۔ اپنی تفسیر پیدائش آیت اول میں لکھتے ہیں "لفظ خدا الوہیم گو بصیغہ جمع ہے ہمراہ فعل واحد کے آیا ہے۔ نہ تو اسلئے کہ وہ کثرت اقانیم پر شامل ہے اور نہ اسلئے کہ یہ لفظی یادگار معلومہ پرستش کثرت اللہ کا رہ گیا ہے۔ یہ محض جمع تعظیمہ ہے (جیسے بادشاہوں کا ہم وغیرہ) یا شائد زیادہ صحت سے جمع مقداریہ (جیسے آسمانوں وسمندروں) جو مظہر بے انتہا بزرگی خدا کا ہے"۔

یہ کہنا بیجا نہیں کہ عام تثلیثی قیاس اس آیت پر اس درجہ پایۂ تحقیق سے گرا ہوا ہے اوس کا منطق ایسا ضعیف و بے بنیاد ہے کہ زمانہ حال کے علماء تثلیثی نے اس کل بحث کو رکیک سمجھ لیا ہے۔ اور اون کو اوسکے دلیل پیش کرنے سے خود شرم آتی ہے بلکہ یہ کہنا حق ہے کہ کسی عالم نے اس روشنی کے زمانہ میں سنجیدگی کے ساتھ اسپر استدلال کرنے کی جرأت نہیں کی چنانچہ ڈاکٹر ولیم اسمتھ کی تاریخ عہد عتیق میں یوں درج ہوا ہے "الوہیم کا صیغہ جمع بڑی بحثیں اوٹھا چکا ہے وہ وسواسی قیاس کہ وہ ذات الٰہی کے اقانیم ثلثہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اب تو علماء کے درمیان کوئی حامی پاتا نہیں یا تو وہ جیسا کہ نحویوں کا قول ہے جمع تعظیمہ ہے۔ یا وہ الٰہی قدرت کی کمالیت یعنے اون قدرتوں کے مجموعہ کو ظاہر کرتا ہے جو خدا نے دکھلائیں"۔ لفظ "ایل" کے معنی قدرت کے ہیں اور یہ مختصر لفظ بہادر یا زور آور شخص مثل بنوخدنضر (حزقیل ۳۱/۱۱) کے لئے استعمال ہوا ہے اور یہ مفہوم اسکا خود بخود قدرت کے معنے سے پیدا ہوتا ہے"۔ کتاب اول باب اول حاشیہ پس کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہمارے ہندی علماء یوروپی علماء کی تقلید میں وس وسواسی خیال کی حمایت کو ترک کردیں۔ اور مسئلہ تثلیث کے لئے کوئی اور پائے چوبین ایجاد کریں۔ اے ناظرین اسپر غور کرو کہ یہ تمہارے علمائے تثلیثی کے اقوال ہیں۔ ××××

پھر مسٹر آزاد صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں (۸) قطعی دلیل کتاب اب ہم آپ کو ایک مختصر سی دلیل اس بات کی دیئے دیتے ہیں کہ الوہیم آقانیم ثلثہ کی نسبت نہیں بلکہ اقنوم واحد ہی کی نسبت بولا گیا ہے۔ اس دلیل کے لئے نہ آپ لغت عبرانی دیکھنے جاویں۔ اور نہ تفاسیر کا مطالعہ کریں صرف توریت کھول کر استثناء ۶/۴ کو دیکھیں اوس میں لکھا ہے "سن لے اے اسرائیل یہوواہ ہمارا الوہیم اکیلا یہوواہ ہے"۔ اکیلے یعنے واحد مطلق کو الوہیم کہا۔ اگر تثلیث کا لحاظ ہوتا تو یوں کہتے "یہوواہ ہمارا الوہیم تیکیلا یہوواہ ہے"۔

پھر مسٹر آزاد صفحہ ۲۰ - میں لکھتے ہیں - اسم جمع پر تو بحث ہو چکی اب ضمیر جمع پر بھی بحث ہونا چاہیئے - اور ہم دیکھینگے آیا اوس سے کسی طرح مسئلہ کثرت فی الوحدت کو مدد پہنچ سکتی ہے - مسٹر عبدیاہ آنہم صاحب فرماتے ہیں " باب ۳ - آیت ۲۲ - کتاب پیدائش میں لکھا ہے کہ " یہوواہ الوہیم نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کے مانند ہو گیا " اس میں کثرت فی الوحدت ایسی عیان ہے کہ تخالف اسکا بجز بطلان کے اور طرح پر محال ہے " بحث توحید و تثلیثہ صـ ۶ ایسا ہی کیلب صاحب فرماتے ہیں کہ " ہم کا لفظ احدیت میں کثرت پیدا کرتا ہے " صـ ۴۲

(۱) تثلیثی تاویل مہمل - پس تثلیثی بھائیوں کے خیال کے مطابق گویا تثلیث کی تینوں آقانیم باہم ایک دوسرے کو مخاطب کر کے یوں کہتے ہیں کہ " دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک اقنوم کی مانند ہو گیا " اور یہ خیال خود انہیں کے دائرہ تثلیثی میں بالکل باطل اور مہمل ہے - اسپر ایک اعتراض تو یہ وارد ہوتا ہے کہ جب لفظ الوھیم جمع ہے اور تم اسکو تین آقانیم کے لئے موضوع سمجھتے ہو تو گویا تین آقانیم جنکو " یہوواہ الوہیم کہتے ہیں " - ملکر بولے " دیکھو " یعنے الوہیم نے کسی غیر الوہیم کو خطاب کیا جو ان تینوں آقانیم کے سوائے ہیں - پس لفظ ہم میں علاوہ تینوں آقانیم کے اور اشخاص بھی شریک ہو گئے جنکو الوہیم خطاب کرتا ہے اور یہ تمہارے دعوے کے خلاف ہے دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ جب تینوں آقانیم خدا سمجھے جاتے ہیں - پس میں ہر طرح برابر تو آدم کسی ایک اقنوم کی مانند کیوں ہوا اگر ہوا تو تینوں آقانیم کے مانند ہوا - اور کہنا یوں چاہیئے تھا کہ " آدم ہم تینوں کے مانند ہوا " تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے آدم نیک و بد کی پہچان میں یہوواہ الوہیم یا اسکی کسی اقنوم مطرودہ کی مانند ہرگز نہیں ہوا - آدم مخلوق تھا - یہوواہ الوہیم اور اوسکی آقانیم خالق - خالق کے علم اور مخلوق کے علم میں کوئی حقیقی مناسبت و مشابہت نہیں ہو سکتی - پھر

آدم نے نیک و بد کی پہچان بدی کا تجربہ اوٹھا کر کی پہچان خدا کیلئے ناممکن ہے اسکی تقدس کی ضد ہے۔

(۲) اگر اس آیت میں کثرت فی الوحدت کا اشارہ تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ تثلیث کو فائدہ نہیں پہنچاتا مطلق کثرت دو اور چار وغیرہ کو بھی شامل ہے خاص تثلیث کی مثبت نہیں ہے (۳) الوہیم کس کو خطاب کرتا ہے آئیت کے الفاظ پر نگاہ رکھو یہوواہ الوہیم نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا"

یہوواہ الوہیم نے کہا۔ خود کو خود تو مخاطب نہیں کرتا۔ یہوواہ الوہیم نے کسی دوسرے سے کہا جو یہوواہ سے غیر تھا۔ جسنے کہا اون سے یہ خطاب ہوا۔ دیکھو پس خطاب کرنے والا یہوواہ الوہیم ہے۔ مگر جن سے خطاب کیا جاتا ہے وہ یہوواہ نہیں۔ بلکہ یہوواہ کے سوائے۔ اسوقت تک عہد عتیق نے ہم کو الوہیت کی آقانیم کے نام نہیں بتائے نہ اُنکے شمار گنائے نہ یہوواہ کے مخاطب کوئی دوسرے یہوواہ بتائے ہمکو صرف ایک ہی یہوواہ الوہیم کی خبر ہے جو کسی کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ "دیکھو"

(۴) فرشتے خدا کے ہمصحبت ہم کو خدا کی کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ "جب خدا نے زمین کے کونے کا پتھر بیٹھلایا سارے بنی اللہ خوشی سے للکارتے تھے" ایوب ۳۸ یہ بنی اللہ فرشتے ہیں جو خدا کے ساتھ شامل ہیں اور یہ خدا کا رحم و محبت ہے کہ وہ اپنے مخلوقوں کو اپنی صحبت و معیت میں قبول کر کے آپکو اُنکے ساتھ ملا کر لفظ ہم بولنے میں تامل نہیں کرتا یہ نہائیت ہی اوچھا خیال ہے کہ اسطرح کی صحبت و معیت سے خدا کی کسر شان ہوتی ہے بلکہ یہ تو عین اس کے شان کے شایاں ہے۔ کہ اوس کی شان جو کسی طرح گھٹ نہیں سکتی اس کی مخلوق کی شان کو بڑھاوے۔

پس ان کتابی خیالات کے مطابق آئیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے "یہوواہ الوہیم نے (فرشتوں سے) کہا دیکھو (تم اے فرشتو) انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا"

* فقرہ نمبر ۲ میں اختصار کیا گیا۔

لیکن تثلیثی خیال کے مطابق آیت اسطرح پڑہی جاوے گی۔

"یہوواہ الوہیم نے (اپنے اقانیم ثلثہ سے جو ہر ایک یہوواہ الوہیم خود تھا) کہا کہ دیکھو (اے اقانیم الوہیت) انسان نیک و بد کی پہچان ہم (آقانیم الوہیت) میں سے ایک (ایک اقنوم) کی مانند ہو گیا"۔

پہلی تفسیر وہ ہے جسکو تمام توریت دان مسیح کے زمانہ تک مانتے آئے ہیں دوسری وہ ہے جو صرف تثلیثی بہائیوں کے دماغ میں سمائی ہوئی ہے۔ کونسی تفسیر درست ہے اب پڑہنے والا خود غور کرے۔

(۵) توحیدی تفسیر پر پہلا **اعتراض** آتہم صاحب ہماری تفسیر پر اعتراض فرماتے ہیں جس کو انہوں نے اپنے خط مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۳ء میں[1] مجھ پر یوں ظاہر فرمایا ہے "بعض یہود نے جو اوسکی شرح یوں کی کہ اسم ضمیر ہم میں ساتھ خدا کے فرشتے بھی فرشتے شامل ہیں نادرست مطلق ہے اول اسلئے کہ متن کلام کہیں آگے پیچھے اون فرشتوں کو نہیں دکھلاتا جو مرجوع اس ضمیر کا ٹہرائے جائیں اور بدون نشان دہی اپنی مرجوع کی اسم ضمیر خبط پیدا کرتا ہے اور کلام کو مبہم ٹھہراتا ہے"۔

جواب اسکا یہ ہے کہ متن کلام آگے پیچھے اُن فرشتوں کو دکھلاتا ہے۔ جو مرجوع اس ضمیر کا ٹہرائی جاویں اول تو آیت ہی میں خطاب کرنے والا الگ ہے۔ اور جنسے خطاب کیا جاتا ہے وہ الگ خطاب کرنے والا "یہوواہ الوہیم" ہے۔ جنسے خطاب کیا جاتا ہے وہ سوائے یہوواہ الوہیم کے کوئی ہیں جن کو ہم فرشتے کہہ رہے ہیں۔ مگر بہرحال وہ یہوواہ الوہیم خود نہیں ہو سکتے۔ اور خطاب بھی بہت ہی تاکیدی ہے۔ **دیکھو** جس سے خطاب کرنے والے میں اور جنسے خطاب کیا جاتا ہے اونکے درمیان غیریت کی صراحت ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ تو مطلب میں خبط پیدا ہوتا ہے نہ کلام مبہم ٹہراتا ہے۔ بلکہ خبط پیدا

[1] دیکھو ضمیمہ اوّل (یعنے رسالہ الوہیم کا ضمیمہ)

کرنے والی تثلیثی تفسیر ٹہرتی ہے۔ دویم فرشتوں کا خدا کی صحبت و معیت میں ہونا ایک کتابی حقیقت ہے چنانچہ پیدائش ۲۸/۱۲ و ۱۳ میں یعقوب کے رویہ کے بیان میں ایک سیڑہی کا ذکر ہے۔ خدا کے فرشتے اوسپر سے چڑہتے اوترتے ہیں اور خداوند اوسکے اوپر کہڑا ہے۔ اور ایوب ۱/۸ میں لکھا ہے کہ بنی اللہ یعنے فرشتگان آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں پس خدا کے ساتھ فرشتوں کی معیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس آیت کا مفہوم اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا نے انسے خطاب کیا اور اون کو اپنے صحبت میں قبول کر کے اپنے اور اُنکے لئے لفظ ہم کا استعمال کیا۔ اور پیدائش ۱۱/۷ و یشعیا ۶/۸ جنکا ذکر آگے آوے گا اوسی کی نظریں ہیں۔

(۶) توحیدی تفسیر پر دوسرا اعتراض۔ دوسرا اعتراض ہماری تفسیر پر آتہم صاحب کا یہ ہے۔

"دویم وہ فرشتے مفروضہ علم بدی کا ازلی رکہتے ہیں یا کسبی۔ اگر کہو ازلی رکہتے ہیں تو مخلوق کیونکر ٹہرے اگر کسبی تو صحبت اقدس الہی کے لائق کیونکر ٹہر سکے"۔

جواب۔ دراصل یہ اعتراض تثلیثی تفسیر پر بڑے زور کے ساتھ عائد ہوتا ہے آتہم صاحب نے غور نہیں فرمایا۔ جس سے ثابت ہے کہ آدم نیک و بد کی پہچان میں آقا نیم الہی کی مانند ہرگز نہیں بلکہ کسی اور ہستی کی مانند تھا کیونکہ آدم کو نیک و بد کی پہچان کا علم ازلی نہ تہا خدا کو ایسا علم ازلی ہے پس مشابہت کی وجہ زائل ہو جاتی ہے۔ پہر آدم کو یہ علم کسبی بھی ہوا۔ خدا کو یہ علم ممکن نہیں وہ قدوس ہے یہاں بھی وجہ مشابہت زائل ہوتی ہے۔ مگر فرشتوں کے علم کی نسبت ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا فرشتوں کا علم ازلی تو نہیں مگر اسوجہ سے ضرور نہیں کہ پہر کسبی ہی ہو۔ کیونکہ فرشتوں کا علم (باستثنائے نافرمان فرشتوں کے) کسبی بھی نہیں مگر ایسا بھی علم ہو سکتا ہے جو نہ کسبی ہو اور نہ ازلی وہ علم حادث ہو بلا ذاتی تجربہ کے اور ایسا ہی علم فرشتوں کو نیکی و بدی کی پہچان کا ہے

اور ایسا ہی آدم کو بھی قبل لغزش کے حاصل تھا۔ اور وجہ مشابہت علم محدود و حادث بھی ہے اور یہ مشابہت مخلوق کو مخلوق کے ساتھ حاصل ہے۔ نہ مخلوق کو خالق کے ساتھ آدم بھی مخلوق تھا فرشتے بھی۔ × × × × × × × × × × × × × × ×

(۷) سرسید احمد کی تاویل پر آتھم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

"سرسید احمد خاں بہادر جو جملہ ممنو کے معنی بجائے ہم میں سے کے اون میں سے کرتے ہیں اور جو مرجوع اون کا آدم ہائے طبقہ ماقبل آدم معروف کو بتاتے ہیں سو متن تو بر کنار وہ کہیں جیالوجی وکسی اور سائنس یا تواریخ میں بھی نہیں دکھلا سکتے"۔ میں از بیل سرسید کا وکیل تو نہیں مگر اون کی اس رائے کو آپ کے اقوال سے مقابلہ کر کے قابل توجہ ضرور جانتا ہوں۔ آپ نے بحث توحید و تثلیثہ میں فرمایا ہے کہ "جملہ کا حد ممنو کے معنی ان میں سے ایک بھی ہو سکتے ہیں"۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کلمہ ممنو کے معنی ہم میں سے اور اون میں سے ہر دو ہو سکتے ہیں"۔ ۵ پس اگر آیت کے معنے یہ ہو جاویں جیسا کہ شاید سرسید قبول کرتے ہیں۔ اور آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "انسان نیک و بد کی پہچان میں اون میں سے ایک کے مانند ہو گیا"۔ تو گو سید صاحب نے اون کا مرجوع ڈھونڈنے میں غلطی کی ہو۔ میں آپکو اون کا مرجوع ایسا بتا دوں گا کہ آپ کو دقت کوئی بھی باقی نہ رہے گی اون کا مرجوع در اصل "آدم ہائے طبقہ ماقبل آدم معروف" نہیں کیونکہ ایسے آدم ہائے کی خبر ہم کو نہیں مگر ہاں نافرمان فرشتوں کا ایک گروہ موجود تھا جو تجربہ بدی کا کر کے مثل آدم کے نیک و بد پہچاننے والا ہو گیا تھا اور مثل آدم کے اپنی حالت معصومیت سے گر کے عاصی ہو چکا تھا۔ "شیطان شروع سے قاتل اور سچائی پر ثابت نہ رہا۔ یوحنا ۸/۴۴ خدا نے فرشتوں کو جب اونہوں نے گناہ کیا نہ چھوڑا ۲۔ پطر ۲/۴ فرشتوں کو جو اپنی اگلی حالت میں نہ رہے بلکہ اپنی خاص مقام کو چھوڑ دیا اتنی سزا دی۔ یہود ۱۱ ۶

---

۵ دیکھو اُن کی تفسیر بیبل۔

حقیقت میں کوئی دقت ان میں سے کا مرجوع ڈھونڈنے میں نہیں ہے۔ دقت ہے تو یہ ہے آیا دراصل کا حد ممنو کا ترجمہ ان میں سے ایک ہوسکتا ہے اگر ہوسکتا ہے تو تمام عقدے حل ہوجاتے ہیں۔ اگر نہیں تو ہم میں سے ایک کو قبول کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا۔ مگر اسکے ہر معنے جو قابل قبول ہوسکیں اس معنے سے بہتر و معقول تر معلوم ہوتے ہیں جسکو تثلیثی علماء قبول کرنیکے لئے تیار ہیں۔

(۸) خلاصہ دلیل توحید دلیل ہماری یہ ہے کہ توریت میں کسی جگہ ذات احدیت کے اقانیم تبلائے نہیں گئے۔ پس ہم کسی طرح آقانیم کے وجود کو قبول نہیں کرسکتے پھر اس آیت میں مخاطب یہوواہ الوہیم ہے۔ کوئی ایک جزء الوہیت کا یا کوئی اقنوم الگ ہوکر مخاطب نہیں اور چونکہ پورا خدا مخاطب ہے وہ کسی دوسرے سے خطاب کررہا ہے اور کلمہ خطاب دیکھو ہے جسنے خطاب کررہا ہے وہ ہرگز خود اپنی ذات نہیں بلکہ کوئی ذات ہے جو اوس کی ذات سے غیر ہے اور یہوواہ الوہیم نہیں۔ اسکے بعد وہ کلمہ ھم کا استعمال کرتا ہے جس میں خطاب کرنے والا اور جس سے خطاب کیا گیا دونوں شامل ہیں کلام خدا ہم کو تبلاتا ہے کہ فرشتگان خدا کی صحبت میں ہیں اور اکثر اسطرح خدا نے اون کو خطاب کیا ہے۔ مثلاً آو ھم اتریں پیدایش ۱۱/۷ میں کس کو بھیجوں اور ھمارے طرف سے کون جائے گا۔ یشعیا ۶/۸ پس ہم کلمہ ہم سے کثرت اقانیم اثنیہ نہیں نکال سکتے کلام خدا مانع ہے اگر کثرت ہے تو اشخاص کی کثرت ہے جس میں خدا اور فرشتگان داخل ہیں۔ ✣

پھر مسٹر آذاد اس رسالہ کے صفحہ ۳۰ میں تین اور آیات اسمضمون کی جنمیں خدا تعالے کی نسبت ضمیر جمع متکلم ھم اور ھمارے بولا گیا ہے اور اُنسے عیسائیوں نے کثرت فی الوحدت نکالی ہے۔ نقل کرکے اونکا جواب دیا ہے۔

اوّل جب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں (پیدایش ۱/۲۶)

دوم۔ آؤ ہم اُتریں اور اُنکی بولی میں اختلاف ڈالیں (پیدائش ۱۱/۷)

سوم۔ میں کس کو بھیجوں اور ہماری طرف سے کون جائے گا۔ (یشعیاہ ۶/۸)

پھر اسکے جواب میں کہا ہے کہ روئے زمین کی کل زبانوں میں قاعدہ ہے کہ واحد اپنی نسبت صیغہ جمع بھی بول سکتا ہے۔ پھر اسکو صفحہ ۳۵ تک مختلف زبانوں اور مختلف آسمانی کتابوں کی شہادت سے ثابت و مدلل کر دیا۔ اور مسلمانوں کو انکے جوابات سے مستغنی کر دیا۔

انتخاب رسالہ الوہیم ختم ہوا۔ امید ہے ناظرین اسکو مقام ششم متمسک عیسائیوں کا کافی جواب سمجھینگے کچھ کسر رہ گئی تو ہم اسکو نکالدینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

واز انجملہ ساتواں مقام مجموعہ حوالجات عہد عتیق ہے۔ جن کو ڈپٹی آتھم نے فہرست ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء میں اور پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء کی آٹھ سطروں میں گن سنایا ہے۔ اور اسکا کوئی مطلب نہیں بتایا۔ ہم نے ان مقامات کو عہد عتیق میں بچشم خود دیکھا تو وہاں الوہیت مسیح کے ذکر بلکہ اشارہ تک نہ پایا۔ لہذا ہم بھی ان حوالجات کی نسبت اجمالی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان مقامات کو دعوائے الوہیت مسیح کے ثبوت پیش کرنا ڈپٹی آتھم کے نقصان فہم کا اخرو نتیجہ ہے جو اسوقت انکے پیرانہ سالی کا عرض لازم غیر مفارق ہو رہا ہے۔ انکو عبداللہ آتھم کے دعوائے الوہیت مسیح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عبداللہ آتھم ان حوالجات کی تفصیل کرتے تو ہم بھی انکے متعلق تفصیلی رائے ظاہر کرتے۔ جیسے کہ اور حوالجات عہد عتیق کی نسبت تفصیلی رائے ظاہر کر چکے ہیں۔ یہ پرچہ اول ڈپٹی آتھم اور اسکے دوسرے پرچوں (پرچہ ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء) کے مندرجہ مقامات عہد عتیق پر اسلامی رائے کا اظہار ہے۔ اب اس پرچہ اور اُسکے دیگر پرچوں متمسکات مقامات عہد جدید کی نسبت اسلامی رائے ظاہر کرتے ہیں۔

اوّلاً یہ سن لینا چاہیئے کہ عہد جدید سے جس قدر الفاظ و عبارت متعلق الوہیت

Digitized by Khilafat Library Rabwah.

مسیح تثلیثی عیسائی نکال کر پیش کرتے ہیں۔ ان سب کے جوابات توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح مختار ربانی اپنے رسالہ الوہیت مسیح و تثلیث کے تنقیح میں ایسے دیدیے ہیں۔ جسنے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انجیل اور اسکے متعلقات عہد جدید میں مسیح کی الوہیت کا نام ونشان نہیں ہے۔ عیسائیوں کا ان الفاظ وعبارت سے مسیح کی الوہیت نکالنا محض غلطی ہے جو بعض مواقع پر غلطی الفاظ اور بعض جگہ غلطی ترجمہ اور غلطی فہم پر مبنی ہے۔ مسٹر اکبر مسیح نے مسلمانوں کو ان الفاظ وعبارات کے جواب سے مستغنی کر دیا ہے۔ اور آیت کفی اللہ المؤمنین القتال کا صدق ظاہر کیا۔ تاہم ان الفاظ وعبارات کے متعلق اسلامی رائے ظاہر کرتی ہیں مگر ہم اسکو مسٹر اکبر مسیح کے جوابات کا خلاصہ بھی نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تاکہ اگر تثلیثی عیسائی اسلامی رائے کے مقابلہ میں کچھ کہنا چاہیں تو پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے جوابات کا جواب دیکر مسلمانوں کے جواب میں کچھ کہیں۔ پادری جی ایل ٹھاکر داس مشنری گوجرانوالہ نے مسٹر اکبر مسیح کے جواب میں ایک مضمون بعنوان عمانوائیل اخبار نور افشاں کے متفرق پرچوں میں چھپوایا ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح اکٹھا کر کے بطور مستقل رسالہ چھاپ دیا ہے۔ مگر وہ جواب کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ ہے اور سوال از آسمان وجواب از آسمان کا مصداق ہے۔ مسٹر اکبر مسیح نے اسکا جواب رسالہ تائید التنقیح میں ایسا دیدیا ہے۔ کہ پھر اسکے جواب میں پادری ٹھاکر داس سے بجز سکوت کچھ بن نہیں پڑا۔ اور آئندہ بھی امید نہیں کہ کسی تثلیثی عیسائی سے اس کا کوئی جواب بجز سکوت بن آوے۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو۔ کہ منجملہ مقامات عہد جدید ایک مقام مکاشفات یوحنا باب ۱۔ آیت ۸ ہے جسمیں یہ بیان ہے کہ "خداوند یوں فرماتا ہے میں الفا و امیگا۔ اوّل و آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے۔ اور قادر مطلق ہوں" جسکو ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۲۳۔ مئی میں بلا حوالہ۔ اور پھر پرچہ ۲۴ مئی مجملاً حوالہ سے۔ اور

۲۵ مئی ۱۸۹۳ء کی فہرست میں تفصیلاً نقل کیا ہے۔ اہل اسلام اس کتاب مکاشفات یوحنا کو عیسائیوں کے مسلّمہ اور معتبرہ کتب سے نہیں مانتے۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے اقوال وعبارات ذیل میں اس کتاب سے انکار مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ھارن صاحب مفسر اناجیل اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ الوحین فرقہ نے جو دوسری صدی میں ہوا ہے جملہ تصانیف یوحنا سے انکار کیا۔ اور برشنیڈر نے (جو بہت بڑا عالم عیسائی ہوا ہے) کہا ہے کہ سب تصانیف یوحنا۔ اسکی تصنیف نہیں۔ بلکہ کسی دوسرے نے دوسری صدی کے شروع میں تصنیف کر کے اس کی طرف منسوب کئے۔ لارڈنر کی چوتھی جلد کے صفحہ ۷۵ میں ہے کہ سرل۔ نے کتاب مشاہدات یوحنا کو نہیں مانا۔ یوسی بیس اپنی تاریخ کے باب ۲۵ میں لکھتا ہے کہ "ڈیونیشن" نی کہا ہے۔ کہ بعض نے ہمسے پہلے تمام کتاب مشاہدات کو علیحدہ کر دیا ہے۔ اور اسکے رد میں کوشش کی ہے اور کہا کہ یہ سب بے معنے اور بے عقلی اور بڑا بھاری حجاب جہالت کا ہے۔ اور نسبت اس کی یوحنا کی طرف جھوٹ ہے اور اسکا مصنف نہ کوئی حواری ہے۔ نہ کوئی پاک آدمی نہ کوئی شخص مسیحی بلکہ اسکو سرن ٹس ملحد نے لکھا ہے۔ اور یوحنا کا نام لگا دیا اور دی ٹس ٹھوڈورس پروٹسٹنٹ واعظ رم بزرگ لکھتا ہے۔ کہ مشاہدات یوحنا اور نامہ یعقوب کو ہمنے قصد کر چھوڑ دیا۔ اور راجرس نے جو علماء کبار فرقہ پروٹسٹنٹ تھا بہت بڑے علماء پروٹسٹنٹ کا نام لکھا ہے جنہوں نے ذیل کی کتابوں کو جھوٹا سمجھ کر نکال دیا ہے۔ (۱) نامہ عرابیون کا۔ (۲) نامہ یعقوب۔ (۳ و ۴) نامہ دوم و سوم یوحنا۔ (۵) نامہ یہودا۔ (۶) مشاہدات یوحنا۔ ڈاکٹر بنسن صاحب پروٹسٹنٹ لکھتا ہے کہ یوسی بیس کے وقت تک یہ کتابیں واجب التسلیم نہیں ہوئی تھیں۔ اور سریانی کلیسیوں نے نامہ دوم پطرس اور نامہ دوم وسوم یوحنا اور نامہ یہودا۔ اور مشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا۔ اور روز صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱

میں لکھا ہے۔ کہ بہت سے محقق پروٹسٹنٹوں نے مشاہدات کے واجب التسلیم ہونے میں جھگڑا کیا ہے۔

ان اقوال کی نظر سے اہل اسلام اس کتاب کے کسی بات کے جواب دینے کو ضروری نہیں جانتے۔ (معہذا وہ اسکے جواب ورد میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسکا مضمون انجیل یوحنا اور مرقس اور دیگر خطوط عہد جدید کی آیات ذیل مخالف ہے۔ تب یشوع نے جواب دیا اور کہا کہ میں تمسے سچ کہتا ہوں۔ کہ بیٹا آپ سے کچھ نہیں کرسکتا (انجیل یوحنا ۵ - ۱۹) کیونکہ جسطرح باپ آپ میں زندگی رکھتا ہے۔ اسی طرح اُسنے بیٹے کو بھی دیا ہے۔ کہ اپنے میں زندگی رکھے۔ (یوحنا ۵/۲۶) میں آپ سے کچھ نہیں کرسکتا۔ جیسا میں سُنتا ہوں۔ حکم کرتا ہوں۔ اور میری عدالت راست ہے کیونکہ اپنی مرضی کو نہیں پر باپ کی مرضی کو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ چاہتا ہوں (یوحنا ۵/۳۰) جسطرح کہ زندہ باپ نے مجھے بھیجا۔ اور میں باپ سے زندہ ہوں۔ اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھاتا ہے۔ مجھسے زندہ ہے (یوحنا ۶/۵۷) پھر یسوع نے انہیں کہا۔ میں آپ سے کچھ نہیں کرتا۔ مگر جو باپ نے مجھے سکھلایا ہے وہ باتیں کہتا ہوں (یوحنا ۸/۲۸) مگر اسدن اور گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں۔ اور نہ بیٹا۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ (مرقس ۱۳/۳۲) مسیح اگرچہ وہ کمزوری سے صلیب پر مارا گیا۔ لیکن خدا کی قدرت سے وہ جیتا ہے۔ اور ہم بھی اُسمیں شامل ہو کے کمزور ہیں پر اسکے ساتھ خدا کی قدرت سے جو تمہارے حق میں ہے جیئینگے (۲ ۱۳/۴ قرنتی) کیونکہ وہ جو مرا تو گناہ کی نسبت ایک بار مرا۔ پر جو جیتا ہے خدا کی نسبت جیتا ہے اسی طرح تم بھی گناہ کی نسبت مردہ ہو۔ پھر خدا کی نسبت ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے زندہ سمجھو۔ (رومی ۶/۱۰) ان آیات میں مسیح اور اُسکے رسولوں کے اقوال سے صاف بیان ہے کہ مسیح نہ اپنے آپ زندہ ہوا۔ نہ اپنے آپ کچھ کرسکتا ہے۔ نہ اپنے آپ علم رکھتا ہے۔ پھر بمقابلہ ان آیات کے جو مکاشفات

کی آیات مذکورہ میں مسیح کو ازلی اور قادر مطلق کیا گیا ہے۔ وہ دروغ بے فروغ اور بناوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

مسٹر اکبر مسیح کا جواب بھی اسی کے قریب قریب ہے انہوں نے مکاشفات کو الہامی فرض کر کے بعض آیات و الفاظ کو غلط اور بعض الفاظ کے معنے کو غلط قرار دیکر اسکے ایسے تاویلی معنے بیان کئے ہیں۔ جن سے مسیح کی الوہیت کی نفی ہوتی ہے۔ وہ صفحہ ۹۰ رسالہ تنقیح میں کہتے ہیں۔

(۷) مکاشفات کی کتاب سے بھی ایک آیت ثبوت الوہیت مسیح میں پیش کیجاتی ہے۔ گو کہ اس کتاب کو رسولی تصنیف کہتے ہیں۔ ہم کو تامل ہے۔ مگر اسپر بھی اپنے بھائیوں کی خاطر بحث کرتے ہیں۔ اسکا مصنف بھی ہمارے نزدیک توحیدی تھا۔

(۱) خداوند خدا[1] یوں فرماتا ہے کہ میں الفا اور امیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنیوالا ہے قادر مطلق ہوں (۱/۸)

(۲) مسیح نے کہا میں الفا اور امیگا اول و آخر ہوں (۱/۱۱)

(۳) مسیح نے کہا۔ میں اول اور آخر اور زندہ ہوں۔ اور میں مُوا اور دیکھ میں ابد تک زندہ ہوں (۱/۱۷ و ۱۸)

(۴) مسیح کا کلام وہ جو اول اور آخر ہے۔ اور مُوا تھا اور جیا ہے یہ باتیں کہتا ہے۔ (۲/۸)

(۵) کسی نے کہا میں الفا اور امیگا ابتدا اور انتہا اول و آخر ہوں (۲۲/۱۳)

ہم اس کتاب کے صفحہ ۶۳[2] میں لکھ چکے ہیں کہ محض ایک سے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے دو مختلف اشخاص ہم مرتبہ نہیں ہو جاتے اور جو الفاظ خدا کے لئے

[1] ریوائزڈ ورشن کے مطابق۔ [2] صفحہ ۶۳ کے اصل عبارت بصفحہ (۳۵۳، ۳۵۴) منقول ہو گی۔

جہاں ہمارے مضامین پر اعتراض ہو وہیں سے بحث ہے۔

غیر محدود وہیں انسان کے لئے بالکل محدود اور ادنے معنی ادا کرتے ہیں۔

ازلیت و ابدیت خدا کی صفات مسلمہ ہیں اسلئے ان الفاظ الفا و امیگا اوّل و آخر سے خدا کی ازلیت و ابدیت بغیر کسی تشریح زائد کے ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح باوجودیکہ جملہ سب کچھ جانتا ہے فی نفسہ علم غیر محدود یا ہمہ دانی ثابت نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ کلام مقدس میں خدا سے صفات ہمہ دانی بہت واضح طور پر منسوب ہوتی ہیں۔ اسیلئے جہاں کہیں لکھا ہے خدا سب کچھ جانتا ہے۔ (۱ یوحنا ۳/۲۰) بلا تامل اس سے مراد ہمہ دانی لیتے ہیں برخلاف اسکے چونکہ کلام مقدس انسان کو نہائت وضاحت سے کم عقل و ناقص العلم بتلاتا ہے۔ لہذا جب اسکے لئے بعینہ وہی الفاظ تم سب کچھ جانتے ہو (۱۔ یوحنا ۲/۲۰) مستعمل ہوتے ہیں تو اسکا مفہوم ہمیشہ محدود و ادنی جانتے ہیں۔

(۱) اس آیت میں جہاں خدا متکلم ہے یوں مرقوم ہے۔ میں الفا و امیگا اوّل و آخر جو ہے اور جو تھا اور جو آنیوالا ہے قادر مطلق ہوں یعنے جملۂ اوّل مجرد نہیں بلکہ جملہ ثانی کے ساتھ ملکر صفات ازلیت و ابدیت کا اظہار کرتا ہے مسیح کو اگرچہ ایک معنی میں الفا و امیگا یا اوّل و آخر کہا ہے مگر اوس کو جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے قادر مطلق کبھی نہیں کہا اور صرف یہی اخیر جملہ الوہیت کو مجرداً فی نفسہ ثابت کرتا ہے اور یہی جملہ اُسکے حق میں ندارد بھی ہے۔

(۲) یہ آیت غلط اور متن سے خارج ہے۔ ریوانیرڈ ورشن نے اُسکو متروک کر دیا ہے۔

(۳) و (۴) اُن آیات میں جو لقب مسیح کو دیا گیا ہے وہ خدا کے حقمیں بالکل کفر ہے وہ اوّل و آخر ہے۔ اور موا تھا اور جیا ہے خدا کی نسبت کہنا کہ وہ موا تھا اور جیا ہے کفر ہے اور مسیح کے حق میں الفاظ الفا و امیگا اول و آخر دوسرے الفاظ جو موا تھا اور جیا ہے سے مل کر ضرور محدود ہو جاتے ہیں کیونکہ

مسیح کی ذات انجیل میں حادث بیان کی گئی ہے اُسنے خود اپنے واجب الوجوب ہونے کی نفی کی دیکھو باب دوم فصل اوّل دفعہ ۱۔ اُسنے آپ کو باپ سے کمتر اور اُسکو اپنا خدا بتلایا ہے۔ پس عقل و نقل دونوں ہماری موید ہیں۔

(۵) یہ آیت مشتبہ ہے کیونکہ اسمیں اختلاف ہے کہ اسکا متکلم کون ہے آیا مسیح یا وہ فرشتہ جو کہتا ہے میں تیرا اور نبیوں کا جو تیرے بھائی ہیں ہم خدمت ہوں (آیت ۹) دونو رائیں درست ہوسکتی ہیں۔ اگر وہ فرشتہ جو اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہے متکلم ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ کلام کسی طرح الوہیت کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ ایک محدود و مجازی معنے رکھتا ہے۔ اور اگر مسیح متکلم ہے تو بھی وہی معنے درست و قرین عقل و نقل ہیں کیونکہ مصنف (مکاشفات کا) مسیح کو خدا نہ جانتا تھا۔ اور اگرچہ اُسنے اُسکے نہایت ہی اعلےٰ رتبہ کا اظہار کیا ہے جسکا کائنات میں دوسری ہستی نہیں پہنچ سکتی تو بھی اوسکو خدا سے کمتر مانا ہے وہ خدا میں (نہ کہ کسی اقنوم میں) اور مسیح میں ہمیشہ امتیاز کرتا ہے۔

پھر اسکی تائید میں مکاشفات کے بہت اقوال نقل کئے ہیں۔ جن میں خدا کو خدا قادر مطلق وغیرہ اور مسیح کو خدا کی طرف سے مختار اور اُسکا برہ اور اوس کی ہیکل کا ستون وغیرہ کہا گیا ہے۔

پھر صفحہ ۴۱ میں کہا ہے کہ۔ پس معلوم ہوگیا کہ اس کتاب (مکاشفات) کے بموجب بھی مسیح خدا نہیں۔ اور ہم کو چاہیئے کہ تمام انجیل کے موافق اس کلام کی کہ "میں الفا و امیگا اوّل و آخر ہوں" تفسیر کریں۔ اسقدر تو ثابت ہوگیا کہ مسیح کے حقمیں اس کلام کے کوئی محدود معنے ہیں۔ وہ معنے کیا ہیں۔ اگر ممکن ہو۔ تو ہم دریافت کرینگے پھر ان معنے کو بیان کیا اور کہا کہ بشہادت باب ۳۔ آیت ۱۴۔ اس کتاب کے اور باب ۱/۱۵ قلسی کی اس سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ سب مخلوقات سے پہلے مخلوق ہیں۔

(جیسے بعض اہل اسلام اعتقاد رکھتے ہیں کہ سب سے پہلے خدا نے آنحضرتؐ کا نور پیدا کیا اور کل عالم اسی سے پیدا ہوا۔ (دیکھو رسالہ مشہور نور نامہ اور مدارج النبوت شیخ عبد الحق دہلوی) اور بشہادت ۳/۹ و ۱۱ اقرو ۱/۲۲ افسی و ۱۲/۲ عبر مسیح کلیسا کا اول آخر ہے۔

پھر اس تاویل ثانی کی تائید میں تثلیثی علماء کے اقوال کو پیش کیا۔ اور کہا ہے تثلیثی علماء اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ امریسمس (تفسیر یوحنا باب ۸۔ آیت ۲۵) لکھتا ہے یہ ظاہر ہے کہ مکاشفات میں مسیح کو پہلا اور پچھلا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ آغاز اور انجام اوس کلیسا کا ہے جس کی نیو اوس کی پہلی آمد پر پڑی اور جسکا انجام بخیر اوس کی دوسری آمد پر ہوگا۔ ڈاکٹر جان اوون (تفسیر خط عبرانیان ۱۳-۸) فرماتے ہیں مسیح ہمارے ایمان کا الفا و امیگا پہلا اور پچھلا آغاز کرنے والا اور انجام کرنے والا ہے انجیل کے معنے انجیل سے پوچھو۔ مگر مسیح کے اس خطاب کو خدا کے اس خطاب سے میں الفا و امیگا اول و آخر ہے اور جو تھا۔ اور جو آنے والا قادر مطلق ہوں خلط ملط کر دینا۔ ایمان کو خلط ملط کر دینا ہے"۔

وازانجملہ دوسرا مقام یوحنا۔ ۱-۸۔ ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ خدا کو کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں اس نے تبلایا جسکو ڈپٹی عبد اللہ آتھم نے پرچہ ۲۲۔ مئی ۱۸۹۳ء میں نقل کیا ہے۔ اور اکلوتے کی تفسیر میں اپنی طرف سے لفظ خُدا ملا دیا۔

اس آیت کو الوہیت مسیح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات خدا کی مخلوقات سے ایک ایک ذرہ اور درختوں کے ایک ایک پتے کی نسبت کہی جا سکتی ہے کہ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اسکی مخلوقات سے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ نے خدا کی وجود اور ہستی کو ظاہر کیا۔ ایک اعرابی کہتا ہے۔ البعرۃ تدل علے البعیر و اثر القدم علے المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج لا یدلان

علی الصانع الخبیر ترجمہ یعنے میگنی سے اونٹ پہچانا جاتا ہے۔ اور پاؤں کے نشان سے چلنے کا پتہ لگ جاتا ہے پس کیا آسمان برجوں والا۔ اور زمین فراخ راستوں والی اپنے کاریگر کے وجود (خدا تعالےٰ) کا پتہ نہیں دیتی۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔ برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورق دفتر یست معرفت کردگار۔ پس یوحنا نے اسی معنے کر حضرت مسیح کو خدا کی ہستی بتانے والا قرار دیا ہے۔ تو اسمیں کوئی بحث و کلام نہیں ہے۔ اور اگر اس سے کلام یوحنا کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی ہستی اور وجود کو مسیح کے پہلے کوئی نہ جانتا تھا۔ مسیح پیدا ہوا تب اوس نے خدا کی ہستی کو ظاہر کیا۔ تو اس معنے کر یہ کلام لائق تسلیم نہیں ہے۔ کیا حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے جسقدر انبیاء گذرے ہیں کسی نے خدا کی ہستی کو ظاہر نہیں کیا۔ اور حضرت مسیح کے پہلے سب انبیاء اور مومن خدا سے بے خبر رہے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ اور اگر اس سے یوحنا کا یہ مقصود ہے کہ خدا تعالےٰ نے مسیح کے جسم اور صورت میں ظہور یا حلول کیا۔ اور اوتار لیا۔ تب خدا لوگوں کو نظر آیا۔ تو اس معنے کر یہ کلام کفر ہے۔ اور معہذا خلاف واقع اور کذب بیّن ہے۔ خدا تعالےٰ کا اجسام مخلوقات میں ظہور یا حلول کرنا اس کی الوہیت اور تقدس کے برخلاف ہے۔ اور یہ اُن لوگوں کا کفریہ عقیدہ ہے۔ جو رام چندر وغیرہ راجاؤں کو خدا کا اوتار کہتے ہیں۔ اسکے کذب ہونے پر یہ کلام خود دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں اوّلاً کہا گیا ہے کہ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر اگر مسیح کی جسم و صورت کو خدا کا جسم و صورت قرار دیا ہے۔ تو گویا اسکو سب کا دیکھا ہوا قرار دیا۔ پھر اسکی نسبت شروع میں یہ کہنا کہ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ کذب نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

پھر اس کلام میں یہ کلمہ بھی خلاف واقعہ ہے۔ کہ مسیح خدا کا اکلوتا بیٹا بیبل میں خدا کے بیٹے اور بیٹیاں اور بہت ہیں۔ پھر مسیح کو اکلوتا بیٹا کہنا خلاف واقع نہیں تو

تو اور کیا ہے * * * بالجملہ اس آیت کے جو معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اور اس معنے کر یہ آیت لائق تسلیم ہے۔ اس معنے کو الوہیت مسیح سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جو معنے عیسائی سمجھتے ہیں اس معنے کر یہ آیت خلاف واقعہ ٹھرتی ہے۔ اور الہامی ماننے کے لائق نہیں رہتی۔ مسٹر اکبر مسیح نے اس آیت کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اسکو الوہیت مسیح کی نفی کی دلیل ٹھرا کر اس سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ تنقیح کے صفحہ ۲۷ میں کیا ہے۔ اس دیباچہ کے آخر آیت ۱۸ میں گمان الوہیت مسیح کی قطعی طور پر نفی ہو جاتی ہے تا آخر قول جو مقام سوم کے جواب کی تائید میں منقول ہوگا۔

از انجملہ تلبیس امقام یوحنا باب ۱۔ آیت اسی ۳ ہے۔ جس میں بیان ہے ابتدا میں کلام میں تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ اور یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے ہوئیں۔ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ جو بغیر اسکے ہوئی ہو۔ جسکو ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء کی فہرست میں نقل کیا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسیح ازلی ہے۔ اہل اسلام اس کلام کو الہامی فرض کرین۔ تو اُسکے معنے وہ یہ بیان کر سکتے ہیں کہ خدا تعالے اوّل سے اپنی صفات کلام وغیرہ کے ساتھ موجود ہے۔ اُسنے عالم کو بنانا چاہا۔ تو اپنے حکم و کلام (کلمہ کن) سے بغیر کسی مادہ یا اسباب خارجی کے عالم پیدا کیا۔ اور اسکے کلمہ کن نے عالم اجسام میں ظہور کیا۔ یعنے اسکا ان میں اثر ظاہر ہوا یوحنا کے اس قول میں جو کلام کو خدا کہا گیا ہے تو اس سے اس کا یہ مقصود نہیں کہ کلام خدا تعالے سے جداگانہ کوئی ذات خاص یا اقنوم ہو کر خدا کہلاتا تھا۔ بلکہ اسمیں اس نے خدا کی ذاتی صفت کلام کو جسکا وجود خدا سے علیحدہ نہیں بطور مبالغہ خدا کہدیا ہے جیسے عادل زید کو اسکی کمال عدالت کے سبب زید عدل یعنے زید سراپا عدالت ہے کہدیتے ہیں۔ اور ایسا ہی یوحنا نے اپنے پہلے خط کے باب اوّل آیت ۵ میں خدا کو نور کہا ہے۔ اور باب ۴ کے آیت ۸ و ۱۶ میں خدا کو محبت کہا ہے۔ باوجودیکہ

ان ہی آیات میں محبت کو بندوں کی صفت قرار دیا ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا کے اس قول کو اور اسکے ساتھ اسکے اون اقوال کو جو اس کتاب کے ۱۴ آیت میں۔ اُسنے کہے ہیں۔ کہ کلام مجسم ہوا۔ اور وہ فضل اور راستی سے بھرپور ہو کے ہمارے درمیان رہا۔ اور ہمنے اسکا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال اور ۱۲۵ رسالہ تنقیح میں نقل کر کے اسکے جواب میں بضمن دفعہ اوّل کہا ہے۔ تمام گذشتہ بحث سے تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انجیل میں کوئی بھی ایسی آیت یا فقرہ نہیں جس سے کسی طرح بھی گمان الوہیت (یعنے مسیح) کی تائید ہو سکے۔ ہر جگہ نفی الوہیت ثابت ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ آیت بھی کُل انجیل کے منشاء کے مطابق ہو۔ نہ کہ مخالف اور ہمکو چاہیئے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے وقت اپنی نظر تمام انجیل پر رکھیں۔

(۲) یہ دیکھنا چاہیئے کہ مقدس یوحنا نے خود اپنی انجیل نویسی کے بارے میں کیا دعوے کرتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ کہ اُنہوں نے انجیل کس منشاء کے لئے لکھی ہے اور انکا مقصود کیا تھا۔ اس انجیل کے اخیر میں ۲۰/۳۱ وہ فرماتے ہیں یہ لکھی گئی تا کہ ایمان لاؤ۔ کہ یسوع وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ اور تا کہ تم ایمان لا کے اسکے نام سے زندگی پاؤ۔ یوحنا انجام میں یہ تو نہیں فرماتے کہ واقعات انجیل لکھی گئی کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع مسیح خدا ہے۔ یا وہ تثلیث کا اقنوم ثانی الوہیت میں خدا کے برابر ہے۔ بلکہ یہ کہ وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ پھر وہ یوں کہتے کہ تم اسکی الوہیت پر ایمان لا کے زندگی پاؤ۔ بلکہ زندگی کا باعث اُسکی ابنیت و مسیحیت پر ایمان لانا ٹھہرایا۔ کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ اگر مقدس یوحنا اپنی کتاب کے آغاز ہی میں یسوع کو خدا کہتے تو کتاب کے انجام میں ایک ضعیف نتیجہ نکال لیتے۔ کہ وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ پس ہم کو لازم ہوا۔ کہ ہم دیباچہ کی کوئی ایسی تفسیر کریں۔ جو کل منشاء انجیل اور مقدس رسول کی

ارادی اور انجام کتاب کے موافق ہو۔ نہ کہ اسکے صریح مخالف۔ بزرگ ٹرتولین فرماتے ہیں کہ مقدس یوحنا کی شرح ایسی کرنی چاہئے جو موافق اس سب کے نہ مخالف اوس سب کے ہو جو اُسنے دوسری جگہوں میں لکھا ہے۔ یا جو عین مخالف معنے الفاظ کے ہو۔ کیا اس انجیل ۱۴/۲۸ میں یہ نہیں لکھا۔ کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ ہمارے مخاطب اپنے عقیدہ کے موافق اس آیت کی تفسیر کیسے کر سکیں۔ یہ آیت قطعی ہے۔ اسکا مفہوم ظاہر سے زیادہ ظاہر ہے۔ جب تک اس انجیل کے دل میں یہ آیت باقی ہے۔ اس انجیل کے دیباچہ سے الوہیت مسیح ثابت نہ ہوگی۔

(۳) اگر مقدس رسول کو منظور ہوتا کہ۔ وہ یسوع کو خدا کہیں تو وہ یوں صاف کیوں نہ کہدیتے۔ کیا ضرور تھا کہ وہ ایسے صاف مسئلہ کو جسکے اظہار پر اتنا تاسیس قا درہوں اپنی انجیل میں بیان نہ کر کے کسی اولجھی ہوئی عبارت میں چھپاتے۔ اور ہر جگہ اوس کو ابن آدم و بیٹا و خدا کا بیٹا اور مسیح کہکے اسکے منہ کے یہ واضح الفاظ میرا باپ مجھسے بڑا ہے مرقوم کرتے اور انجام میں اپنی کتاب کا حاصل و لب لباب یہ بتلاتے کہ یہ سب کچھ لکھا گیا کہ۔ تم ایمان لاؤ۔ کہ یسوع وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

(۴) ہم نہیں سمجھتے کہ اس آیت سے کیونکر الوہیت مسیح اخذ کی جا سکتی۔ اسمیں یہ تو نہیں لکھا کہ ابتدا میں مسیح تھا۔ اور مسیح خدا کے ساتھ تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ اور کلام مجسم ہوا۔ اور فضل اور راستی سے بھرپور ہو کر ہمارے درمیان رہا۔ اور ہمنے اُسکا جلال دیکھا۔ جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ پس مسیح خدا نہ تھا۔ خدا اس کلام کو کہا مسیح جسکا ظہور ہے۔ کلام نے جسم مسیح میں ظہور پکڑا۔ پھر دیکھنا چاہیئے کہ اخیر فقرہ میں یہ کہا ہے۔ وہ ہمارے درمیان رہا۔ اور ہم نے اوسکا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا۔ یہ نہیں کہا جیسا خدا کا۔ اور یہی اقرار اس انجیل کے اختتام میں بھی آیا جو کُل انجیل کا لب لباب ہے

(۲۰/۳۱) پس نفی الوہیت مسیح اس انجیل کے آغاز و انجام کا ماحل ہوا۔

(۵) اس دیباچہ کے آخر آئیت میں گمان الوہیت مسیح کی قطعی طور پر نفی ہو جاتی ہے۔ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ اوس نے بتلا دیا۔ اب اگر در اصل مسیح خدا تھا تو مسیح کے دیکھنے والوں نے بالضرور خدا کو پوری طرح دیکھا۔ اور یہ غلط ہے۔ کہ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر مسیح خدا نہ تھا۔ اسلئے خدا کو کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ سچ ہے۔

(۶) ایک اور بات بھی ہمارے بھائیوں کے غور کے قابل ہے۔ لکھا ہے ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ اگر بفرض محال تثلیثی معنے اس آئیت کے درست ہوں یعنے مسیح کلام و خدا ہے اور الوہیت کا دوسرا اقنوم تو بھی کلیسیا کے عقیدہ تثلیث کی پوری تردید اس جملہ سے یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ہو جاتی ہے۔ اس سے ہر تیسرے اقنوم کی نفی ہوتی ہے اور خدا میں تثلیث نہیں بلکہ تثنیہ ماننا چاہیئے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ اگر الوہیت میں کوئی تیسرا اقنوم ہے۔ تو پھر یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ نہ تھا بلکہ اور یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھی۔ پس اس آیت کے تثلیثی معنے سے انکار کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی سے زیادہ وجوہ ہیں ہم نے ثابت کیا کہ وہ عقیدہ صرف انجیل کے منشاء کے خلاف ہے۔ بلکہ مقدس رسول کے ارادہ و بد عا اور اُنکے ہر قول کے خلاف ہے چاہیئے کہ ہم جلد اس عقیدہ سے دست بردار ہوں۔

پھر دفعہ دوم میں اس آئیت کے صحیح معنے بیان کئے ہیں۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ رسول یوحنا نے اس مقام میں لفظ لوگس جسکا ترجمہ کلام کیا گیا ہے استعمال کیا ہے۔ اور اس لفظ لوگس کا ترجمہ کلام بھی ہوا ہے۔ عقل۔ علم۔ حکمت۔ و قدرت بھی ہوا ہے۔ بعض نے اسکا ترجمہ ظہور کیا ہے۔

پھر یہ کہنا دشوار ہے کہ آیا اس آیت میں لوگس کسی شخص ہستی کو کہا ہے۔ یا محض بطور استعارہ یہ نام کسی صفت الٰہی کو دیا ہے۔ علماء تثلیثی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے کہ۔ مجرد کلام سے غیر شخصی صفت الٰہی مراد ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں اخیر جملہ کے درست ترجمہ میں اختلاف ہے۔ اس جملہ کے دو ترجمہ ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہی مروجہ ترجمہ کلام خدا تھا۔ (۲) خدا کلام تھا۔ چنانچہ لوتھر اور وکلف نے یہی ترجمہ کیا ہے اور ڈاکٹر کیمل کہتے ہیں کہ۔ پرانی انگریزی ترجمہ میں جو ہنری ہشتم کے زمانہ میں رائج تھا۔ یہی ترجمہ تھا۔ ڈاکٹر ایڈم کلارک دونو ترجمہ قبول کرتے ہیں۔ خدا کلام تھا اسکے ہم معنی آیات انجیل میں ہیں۔ مثلاً خدا نور ہے۔ خدا محبت ہے۔ (۱ یوحنا ۱/۵ ۴/۱۶)

اور پھر ہمنے خاصکر یہ ثابت کیا ہے کہ۔ کلیسیا کا عقیدہ اس آیت سے مطلق تائید حاصل نہیں کر سکتا۔ اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ جو بعض علماء جو علماء تثلیثی کے درمیان مستند اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ اس آیت کو الوہیت مسیح کے ثبوت میں بالکل غیر کافی سمجھتے ہیں۔ انکی رائے ہے کہ لوگس کلام کو مجازی طور سے خدا (Θεός) کہا یہ لوگ یونانی عبارت پر زور دیتے ہیں۔ ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا (τοῦ Θεοῦ) معہ حرف تعریف) کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا (Θεὸς) بغیر حرف تعریف تھا۔ یہی ابتدا میں خدا (τοῦ Θεοῦ معہ حرف تعریف) کے ساتھ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ترجموں میں اصل یونانی کی رعایت نہیں ہو سکتی۔ انکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ جو لفظ خدا کے لئے آیا وہی کلام کے لئے آیا۔ حالانکہ دونوں جگہ ایک ہی لفظ نہیں کلام کو صرف (Θεὸς) کہا ہے (یعنے بغیر حرف تعریف) اور خدا کو (τοῦ Θεοῦ) بحرف تعریف پہلا لفظ بغیر حرف تعریف عام ہے اور اسکے معنے ایک خدا کے نہیں ہیں۔ اس لفظ کا استعمال سوائے خدا کے دوسرے کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر فریڈرک شلیرماخر لغت عہد

جدید میں تسطیر فرماتے ہیں۔ مجازاً لوگس (ΘΕΟΣ) خدا کے معنی ہیں۔ وہ جو باختیار و بحکم خدا عمل کرتا ہے۔ وہ جو زمین پر خدا کا نائب ہے۔ اس طرح حاکموں اور قاضیوں کو خدا کہا ہے۔ (یوحنا ۱۰-۳۴ و ۳۵ معہ زبور ۸۲-۶ و خروج ۲۲-۲۸ و زبور ۹۷-۹۔ اور نیز فرشتوں اور بادشاہوں کو۔ ۱ قرہ ۸-۵ و خروج ۷-۱" برخلاف اس کے (ΤΟΥ ΘΕΟΥ) یعنے لوگس معہ حرف تعریف کے خاص ہے۔ اور سوائے باپ کے کبھی کسی دوسرے کے لئے مستعمل نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو صفحہ ۴۰ رسالہ تنقیح) پہلی اور دوسری آیت میں دونو جگہ یہ امر نگاہ رکھا گیا ہے۔ کلام جس کے ساتھ تھا اُسکو دونو جگہ (ΤΟΝ ΘΕΟΝ) حرف تعریف سے کہا۔ مگر ان دونوں مقاموں کے عین درمیان ہے۔ کلام کو صرف (ΘΕΟΣ) لوگس کہا بلا صرف تعریف محض بلا وجہ اور بلا ارادہ ایسا بہاری امتیاز الفاظ مقدس رسول نہیں فرماتے۔

پھر صفحہ ۱۳۱ و صفحہ ۱۳۲ میں اسکی تائید مستند علماء تثلیثی کے اقوال کو نقل کرکے صفحہ ۱۳۲ میں کہا ہے۔ (۲) ہم کلام کوئی شخصی ہستی ماننا ضروری نہیں سمجھتے مقدس یوحنا نے صفات الہی مثل حکمت و قدرت کا جسکا ظہور خلقت کائنات میں ہوا۔ بطور استعارہ ذات سے علیحدہ تصور کرکے اس کو لوگس کہا۔ اس دیباچہ میں بہت سے اصطلاحات مثل کلام۔ نور۔ تاریکی۔ فضل۔ اکلوتا۔ راستی۔ زندگی۔ وبہ پوری وغیرہ آئے ہیں۔ یہ جملہ اصطلاحی الفاظ اسوقت کے افلاطونی فلسفہ کی طرف اشارہ کرکے۔ انکی تردید کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اگر انجیل میں مسیح کی الوہیت کی تعلیم واضح طور پر ہوتی تو اس دیباچہ کی تثلیثی شرح کرنے کے لئے کوئی آڑ ملتی۔ مگر جب تمام انجیل الوہیت مسیح کے خیال سے خالی ہے۔ اور اس میں عبودیت مسیح اور وحدت الہی کی تعلیم اس کثرت سے ہے تو لازم ہوا کہ اس کلام کی تفسیر بھی مطابق کل نتیجہ انجیل کے کیجاوے۔ مقدس یوحنا نے کبھی مسیح کو خدا نہیں کہا۔ اگر وہ مسیح کو خدا مانتے تو اس کے

اظہار کے لئے انکے پاس الفاظ کی کمی نہ تھی۔ پھر کہا ہے۔ لوگس کے معنے کلام و حکمت و قدرت سب موزون ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی نیا خیال نہیں۔ پرانے عہد نامہ میں بھی اسکا مذکور ہے۔ ۱۔ مثال باب ۸ میں حکمت کو از راہ استعارہ ایک شخص کر کے خطاب کیا ہے۔ حکمت کہتی ہے جسوقت خدا نے زمین کی نیو پس ڈالیں اوس وقت پروردہ کی مانند اوسکے ساتھ تھی (امثا ۸/۲۹ و ۳۰) خداوند نے حکمت سے زمین کی بنیاد ڈالی اور عقلمندی سے آسمان کو درستہ کیا۔ امثا ۳/۱۹ اور دیکھو حکمت سلیمان ۱۱/۱ و ۲ و ۱۸/۱۵ عبر ۱۱/۳ میں ہے عالم خدا کی کلام سے بن گئے ۲ پطرس ۳/۵ میں ہے۔ خدا کی کلام سے آسمان قدیم سے ہیں۔ جیسا یہاں الہی صفات کلام و حکمت و قدرت کو مجازاً بطور شخص کے بیان کیا۔ اوس دیباچہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ چونکہ حکمت وغیرہ صفات ایسی ہیں مجازاً اون کو خدا کہا۔ پس یہ کہنا کہ کلام خدا سے جدا حقیقی شخص یا اقنوم ہے غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح کہہ سکتے ہیں خدا محبت ہے۔ یا خدا نور ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ خدا حکمت یا کلام ہے۔ آیت ۳ میں جو لکھا ہے سب چیزیں اوس سے موجود ہوئیں۔ اور کوئی چیز موجود نہ ہوئی۔ جو بغیر اس کے ہوئی۔ اوسکا مرجع نہ صرف کلام بلکہ خدا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آیت ۳ میں بھی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ خدا اسم قریب ترین ہے۔ آیت ۱۴۔ اور لوگس کلام مجسم ہوا (σαρξ εγενετο) گوشت یا جسم بنا درست لفظی ترجمہ ہے۔ اوسکا مدعا بجز اسکے کہ لوگس کا جسم مسیح میں ظہور ہوا۔ یعنے مسیح مظہر لوگس الہی ہے۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں اگر لوگس کے معنے قدرت یا حکمت کے ہوں۔ تو وہ مقدس پولوس کے اس کلام کے ہم معنے ہوگا۔ مسیح خدا کی قدرت اور حکمت ہے۔ اقر ۱/۲۴ اور فضل اور راستی سے بھرپور ہو کر ہمارے درمیان رہا۔ اور ہم نے اسکا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال یہ مسیح کی تعریف ہے جس سے اسکی الہیت نہ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah.